© rasailojaraid.com

علامہ اقبال : اکیسویں صدی کا شاعر

ڈاکٹر محمود الحسن عارف*

یوں تو چمنستان اسلام ہزاروں سدا بہار وصد آفرین پھولوں اور عطر بیز کلیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے ، اس کا ہر گل لالہ رنگ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ " جا این جا است" اس کی روشنی کی ہر کرن خون صد ہزار انجم سے پیدا ہوتی ہے' اس کا دامن قلب ہر قسم کے بوقلموں جواہرات اور گراں قدر و دیدہ زیب جواہر پاروں سے مزیّن و مرصع ہے ۔ تاہم تاریخ اسلام کی بعض ہستیاں ایسی ہیں جن کی مشام انگیز عطر بیزی اور روح پرور مہک اپنوں کے لیے ہی نہیں ، بلکہ دوسروں اور بیگانوں کے لیے بھی خدا تعالی کا بہت بڑا لطف و کرم ہوتی ہے اور جن کے لیے سینۂ کائنات سے صدیوں اشک ہائے طلب نالۂ فریادی بن کر ابھرتے رہتے ہیں ، پھر قدرت اس کا مداوا کرنے کے لیے کسی عطار و رومی و سرہندی کو ، کسی رازی و غزالی کو چمنستان دھر میں بھیج دیتی ہے ، جن کے آنے سے حکمت اسلام اور تشریح دین کی روٹھی ہوئی بہاریں اور رونقیں عود آتی ہیں اور کائنات ان کے آنے کی خوشی میں سرمست ہو کر جھوم جھوم اٹھتی ہے ، ہمارے ممدوح علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بھی " دیدہ وروں " کی اسی فہرست میں شامل ہیں.

علامہ اقبال ، جن کے نغمات اور اشعار سے آج پورا عالم اسلام گونج رہا ہے' ۹نومبر۱۸۷۷ء/ ۳ ذوالقعدہ ۱۲۹۴ھ کو سیالکوٹ کے ایک غیر معروف خاندان میں پیدا ہوئے(۱) اور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتہائی شہرت و دلعزیزی کے عالم میں انتقال فرمایا۔ علامہ کے اجداد " سپرو" گوت کے کشمیری پنڈت تھے ، جو غالبًا اٹھارویں صدی کے اوائل میں حلقہ بگوش اسلام

---

* صدرنشین' اردو دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے(۲)۔ اس طرح علامہ کی ذات اور ان کا خاندان بھی خود علامہ کے بقول " پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" کا مصداق تھا۔ آپ اس لیے بھی ایک یادگار شخصیت ہیں کہ آپ نے مسلمانوں کی آئندہ ادوار میں رہنمائی فرمائی۔ اس لحاظ سے انہیں ہم مستقبل کا ، یا زیادہ بہتر الفاظ میں ، اکیسویں صدی کا شاعر اور مفکر قرار دے سکتے ہیں۔

اس سے قبل کہ ہم علامہ اقبال کی شاعری اور ان کے عصر حاضر کے نام پیغام پر روشنی ڈالیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند تمہیدی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے:

علامہ اقبال اور ان کا زمانہ

علامہ اقبال کا دور حیات (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) مسلمانان عالم کے لیے بالعموم اور مسلمانان پاک و ہند کے لیے بالخصوص بڑا ہی نازک اور پرآشوب تھا ، اس زمانے میں یورپ بیداری کے عروج پر تھا اور وہ برطانوی ، فرانسیسی اور اطالوی استعمار وغیرہ کا روپ دھار کر عالم اسلام پر دست تعدی دراز کیے ہوئے تھا ، جبکہ پورا عالم اسلام ان کے خونیں پنجوں میں پڑا ہوا سسک رہا تھا ، مگر یہ سسکیاں اور آہیں صیاد گلچیں کے لیے بے معنی اور بے وقعت تھیں کہ :

دل شاہیں نہ سوزو برآں مرغے کہ درچنگ است

اس وقت یہ یورپی استعمار عالم اسلام کی چھوٹی بڑی ریاستوں کو مکروفریب کی سیاست کے ذریعے نگل چکا تھا ، فقط یورپ کا مرد بیمار (سلطنت عثمانیہ ترکی) اپنے کچھ ممالک اس کی دست برد سے بچائے ہوئے تھا ، مگر تابکے ، آخر ترکی کی باری بھی آئی اور خوب آئی. یورپین ممالک نے اس کے حصے بخرے کرنے کے لیے ایک باہم خفیہ معاہدہ کیا جس میں اس کی ریاستوں اور ممالک کی آپس میں بندر بانٹ کر لی گئی ۔ پھر جب اس پروگرام پر عمل درآمد ہوا تو پوری دنیا مغربی استعمار کی سفاکی ، درندگی اور بہیمیت کی داستانوں سے لرز اٹھی اور ترکی کی مختلف ریاستیں مسلمانوں کے گرم لہو سے لالہ زار اور " گنج شہیداں " بن گئیں(۳)۔ اس کے خلاف پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی' مگر صیاد کے کان پر جوں تک نہ رینگی(۴) اور پھر علامہ اقبال کی زندگی میں ہی ترکی کو ختم کرنے اور اس آخری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان حکومت کا استیصال کرنے کے لیے آخری چال بھی چل دی گئی، چنانچہ خود ترکی کے قلب و جگر پر یونانی اور اتحادی فوجوں نے غاصبانہ قبضہ جما لیا، عرب کے مقامات مقدسہ اور شام و مصر میں برطانوی انتداب قائم ہوگیا، لیبیا اور بعض افریقی ممالک میں فرانسیسی اور اطالوی فوجوں نے اپنے ڈیرے ڈال دیئے، وسط ایشیا کی ریاستوں پر روس نے قبضہ جما لیا، ان حالات نے مسلمانوں کو مستقبل سے مایوس اور ہراسان کر دیا، اور ان میں عالمی سطح پر اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی اور پست ہمتی نظر آنے لگی۔ علامہ اقبال کا "تصور خودی" اس روگ کا تریاق اور اسی مرض کا کیمیا اثر علاج تھا۔

علامہ اقبال کی ولادت سے پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم سلطنت ختم ہوئی تو ان کے لیے مرہٹوں، سکھوں اور ہندو جاٹوں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا، پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی عظیم شکست سے کوئی "تیمور و بابر" فائدہ نہ اٹھا سکا اور بہت جلد قلب ہند دہلی پر دوبارہ مرہٹوں نے قبضہ جما لیا، انہیں ۱۸۰۳ء میں انگریزی افواج نے باہر نکالا جو اس سے قبل ۱۷۵۷ء میں بکسر کی اور ۱۷۹۹ء میں سرنگا پٹم کی جنگ جیت کر ہندوستان کی حکومت پر اپنا حق جتا چکے تھے۔

سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے مسلمانوں کی اس ڈوبتی ہوئی ناؤ کو اپنے خون شہادت سے سہارا دینے کی کوشش کی، مگر ان کا خون شہادت بھی، قوم کی منافقت، فریب کاری اور پست ہمتی کے سامنے بند نہ باندھ سکا، تاہم ان کے اور ان کے باہمت رفقاء کے دم سے ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کی حریت و جانفروشی کی روایت ایک طویل عرصے تک زندہ رہی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اس صدی کا سب سے اہم اور سب سے مہتم بالشان اور قابل فخر واقعہ ہے، مگر اپنوں کی بے اتفاقی اور منافقت، بلکہ غداری نے اس جنگ اور اس کے نتائج کو انگریزوں کے حق میں پلٹ دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انیسویں اور بیسویں صدی میں احیاء اسلام کی کوششیں اور ان کے اثرات

اس مایوسی کے عالم میں مسلمانان برصغیر پاک و ہند کی طرف سے اسلام کے احیاء کی کئی تحریکات شروع ہوئیں' ان میں مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی بیداری کے لیے مولوی کرامت علی جونپوری کی تبلیغی تحریک' دارالعلوم دیوبند کی شکل میں مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی علمی تحریک وغیرہ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ یاد رہے کہ یہ علماء ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں براہ راست حصہ لے چکے تھے. (۵)

سید احمد شہید کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تحریک جہاد ' جسے انگریزوں نے تحریک وہابیت کا نام دیا (۶) اور سر سید کی علمی تحریک بھی جو علی گڑھ کالج کے قیام و تاسیس کی صورت میں رونما ہوئی' بھی قابل ذکر ہیں.

ملک گیر سطح پر مسلمانوں اور ہندووں نے اسی زمانے میں مل جل کر وطن کی آزادی اور انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لیے کام کرنا شروع کیا' ۱۸۸۵ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی اور اس سے اگلے سال' آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی تاسیس سرسید کے ہاتھوں عمل میں آئی' بعد ازاں اسے ایجوکیشنل کانگریس کے بجائے ''کانفرنس'' کا نام دیا گیا' یہی تنظیم بعد ازاں آل انڈیا مسلم لیگ کی پیش رو ثابت ہوئی.

ملکی سطح پر مسلمانوں کی بیداری کی اس لہر میں مولانا ابو الکلام آزاد کے رسالے ''ہفت روزہ الہلال'' کا بھی بہت بڑا حصہ ہے' جو کلکتہ سے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا' اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو بند ہوا' اس پرچے کے آتش نوا مضامین' مقالات اور خبروں نے جلتی پر تیل کا کام کیا' خود علامہ اقبال کے اشعار میں بھی الہلال کے اثرات نظر آتے ہیں.

مسلمانوں کے مسائل

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا' دوسری طرف یہ حقیقت اپنی جگہ تھی کہ مسلمان بین الاقوامی اور ملکی سطح پر طرح طرح کے مصائب و آلام سے دوچار تھے' جس کا مداوا ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس موجود نہ تھا اور دن بدن مان کے یہ مسائل و مصائب بڑھتے ہی جا رہے تھے. (۷)

مسلمان چونکہ عالمی سطح پر اپنی تیرہ سو سالہ (اب چودہ سو سالہ) تاریخ میں پہلی بار ان سنگین حالات سے دو چار ہوئے تھے' اسی بنا پر عام مسلمانوں میں اس کا تاثر کچھ زیادہ ہی تھا' شاید یہ ان حالات کا نتیجہ تھا' کہ مایوسی کی حالت میں مسلمان ان حالات پر نہ صرف صابر و شاکر تھے' بلکہ ان کے بعض نام نہاد لیڈر انگریزوں کی مدح و خوانی میں کتابوں کے صفحات کے صفحات سیاہ کر رہے تھے.

اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں مذہب سے بعد بڑھتا جا رہا تھا.

سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ دنیا کی باقی قومیں تو خواب غفلت سے بیدار ہو رہی تھیں یا بیدار ہو چکی تھیں' مگر مسلم قوم کا خواب غفلت میں مدہوش اور بے سدھ رہنے کا عرصہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا تھا. وہ قوم جس کے وجود و برکت سے دنیا کی خوشحالی اور امن و استحکام قائم ہوا کرتا تھا' اب اپنے امن و استحکام کے لیے دوسروں کی مدد اور سہارے کی محتاج تھی.

ان حالات میں مسلمانوں کے پاس صرف ترکی حکومت کا ایک چھوٹا اور کمزور سا سہارا رہ گیا تھا' جہاں برائے نام خلافت کا وجود مسلمانوں کے لیے غنیمت تھا' مگر علامہ اقبال کی زندگی ہی میں اس کا بھی تیا پانچا شروع ہو گیا تھا' رہی سہی کسر جنگ عظیم اول نے پوری کر دی' جب ترکی حکومت نے اپنی دوستی نباہنے کی خاطر ''قیصر جرمنی'' کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس جنگ کے اختتام پر یونانی فوجوں نے ترکیہ پر قبضہ کر کے اس سلطنت کی بربادی پر آخری ضرب کاری لگا دی تھی' گو ترک لیڈر مصطفیٰ کمال پاشا اور اس کے ساتھیوں کے طفیل ترکی حکومت تو بچا لی گئی ' مگر ''خلافت'' کا سایہ ایسا اٹھا کہ وہ دوبارہ بحال نہ ہو سکا' اور یوں ہندوستان کی ''تحریک خلافت'' اپنے آپ ختم ہو گئی۔ ان حالات میں علامہ اقبال مسلمانوں کے لیے بہت بڑا عطیہ خداوندی تھے کہ انہوں نے عالمی سطح پر مسلمانوں کی ترقی' ان کی خوشحالی و کامرانی کے لیے زوردار آواز بلند کی.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تہذیب مغرب اور علامہ اقبالؒ

شاعر مشرق علامہ اقبال کے زمانے میں یوں تو مسلمانوں کو کئی مسائل و مصائب کا سامنا تھا، مگر ان میں انگریزی تہذیب و تمدن کا مسئلہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ پیچیدہ تھا۔

برطانوی سامراج اپنے ساتھ ہندوستانی باشندوں کے لیے سات سمندر پار سے جو سوغات لایا تھا، ان میں ان کی مخصوص تہذیب و معاشرت والی "سوغات" سب سے زیادہ جاذب نظر اور پرکشش (Charming) تھی، یہ تہذیب و معاشرت نہ صرف اسلامی تہذیب و طریق معاشرت کے خلاف تھی، بلکہ یکسر اس کے الٹ اور متضاد واقع ہوئی تھی، اسلامی معاشرت میں چار دیواری اور شرم و حیا پر زور دیا جاتا ہے، جب کہ اس میں بے حیائی، چست جامہ زیبی اور مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی تہذیب سادگی و پاکیزگی کا مرقع ہے، مگر اس میں تصنع و بناوٹ اور ظاہرداری، بلکہ منافقت کو "کار مردان" خیال کیا جاتا ہے۔اسلام ازسر تا پا آداب زندگی سے عبارت ہے، جبکہ "تہذیب مغرب" میں اسے فرسودہ اور "ازکار رفتہ" خیال کیا جاتا ہے، انہی وجوہات اور اسی "بعد المشرقین" کے باعث مسلمان ایک طویل عرصے تک اس تہذیب و طرز معاشرت سے دامن کشاں رہے، مگر مخصوص معاشی اور معاشرتی مجبوریوں کی بنا پر ان کا یہ اجتناب زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکا۔

۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے کی مرتب کردہ تعلیمی پالیسی کے نتیجے میں ملک کے طول و عرض میں جو تعلیمی انقلاب ابھر کر سامنے آنا شروع ہوا اور جس کے نتیجے میں عربی فارسی کو دفتروں سے "دیس نکالا" اور انگریزی کو "تاج حکومت" ملا، اس تبدیلی نے مسلم نوجوان کو بھی آہستہ آہستہ اپنی جانب کھینچنا شروع کر دیا، بہرحال کچھ اس تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے اور کچھ پیٹ کے مسئلے سے مسلمان اس تہذیب کے دام تزویر میں آگیا۔

اس پر مزیدہ طرہ "علیگڑھ تحریک" تھی، سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے، گو خلوص نیت سے ہی سہی، مسلمانوں کو تعلیمی اور تہذیبی طور پر آگے لانے کی کوششیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کے نتیجے میں بھی تہذیب مغرب کی مسلمانوں میں اشاعت ہوئی اور اسے فروغ حاصل ہوا، اس لیے کہ سرسید کی تحریک صرف تعلیمی میدان تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ ان کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ مسلمان مکمل طور پر انگریزی رنگ، انگریزی فکر اور انگریزی طرز میں ڈھل جائیں، سر سید کی یہ "تہذیبی پالیسی" لارڈ میکالے کی توقعات کے عین مطابق تھی۔

اس پست اور غلامانہ ذہنیت کے خلاف جلد ہی مسلمانوں میں رد عمل ہوا، اس وقت اس نقارخانے میں سب سے بلند اور پرشوکت آواز اکبر الہ آبادی کی تھی۔ اکبر مرحوم خود بھی ایک پڑھے لکھے شخص تھے، جو مجسٹریٹ رہ چکے تھے، مگر قومی اور ملی درد نے انہیں اس تبدیلی پر سیخ پا کر دیا، اس مضمون کے ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

جو میری ہستی ہے مٹ چکی ہے نہ عقل میری نہ جان میری
ارادہ ان کا دماغ میرا خیال ان کا زبان میری

شرطیں عزت کی اور ہیں اکبر
چلتا نہیں کام کچھ نقالی سے
چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب ردی
بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی زوابد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم
رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا
راہ مغرب میں یہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہنچے اور ہم سے چھٹ گئے

یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں کھوٹی
غریبی میں نظم ملت، بی اے میں صرف روٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جناب لیڈر سن کر یہ شعر بولے — بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے — کس کی نظر ہے غائر کس کی نظر ہے موٹی
مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت — اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کے لیے

اکبر الہ آبادی کے اشعار میں قومی حمیت و غیرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' اسی بنا پر جب وہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو انگریزی تہذیب و تمدن کا شیدائی دیکھتے تھے' تو ان کی رگ ظرافت پھڑک اٹھتی تھی' تاہم اکبر کے اس ظریفانہ رنگ میں بھی قومی اور ملی جوش و جذبے کو بآسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

تا ہم اکبر الہ آبادی کے اشعار میں ظریفانہ رنگ ہمیشہ غالب رہا' وہ ہر بات اسی انداز اور اسی طریقے سے کرتے ہیں یہ انداز ان کا خاص انداز ہے'جو اردو کی شاعری میں کسی اور شاعر کو زیب نہیں دیتا۔ اس کے برعکس علامہ اقبال کے ہاں ابتدائی دور میں اکبر کا طنز و ظرافت اور تنقیدوالا رنگ آیا ضرور تھا، لیکن اس مصلح اور حکیم امت نے جلد ہی اصلاحی، مثبت اور فکری رنگ پیدا کر لیا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ 'علامہ اقبال کی ظرافت اور طنز کا نشتر چلاتے ضرور ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اصلاحی اور مثبت اشعار کے ذریعے قوم کے زخموں پر مرہم کا پھایا بھی رکھتے ہیں' اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو علامہ اکبر الہ آبادی ایک قومی سرجن (Surgeon) کی حیثیت رکھتے تھے' جنہوں نے قوم کے زخموں کو کریدا' جب کہ علامہ اقبال سرجن (Surgeon) اور فزیشن (Physician) دونوں انداز رکھتے تھے کہ انہوں نے زخموں کو کریدا بھی اور ان کا علاج بھی تجویز کیا۔

تہذیب مغرب پر علامہؒ کی تنقید

علامہ اقبال کی ظریفانہ شاعری میں اکبری رنگ اور طرز نمایاں ہے ، اسی بنا پر یہ انداز ایک محدود وقت تک جاری رہا' بانگ درا کے علاوہ کسی اور مجموعے میں اس نوع کے اشعار دکھائی نہیں دیتے' بہرحال علامہ اقبال کی ظریفانہ شاعری میں تہذیب جدید کی یوں خبر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لی گئی ہے:

مشرق و مغرب

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

مغرب کے شیدائی

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

مشرق کی تجارت

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
شیشہ دین کے عوض جام و سبو لیتا ہے
ہے مداوائے جنوں نشتر تعلیم جدید
میرا سرجن رگ ملت سے لہو لیتا ہے

تہذیب جدید کے گندے انڈے

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

علامہ اقبال کی یہ تمام شاعری ظریفانہ انداز میں ہے مگر اس ظرافت میں بھی انہوں نے متانت اور سنجیدگی کو یکسر انداز نہیں کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال اور اکیسویں صدی

کہنے کو تو علامہ اقبال نے ۱۹۳۸ء میں دنیا سے آنکھیں موند لیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو آنے والے ادوار کے لیے پیدا ہوتے ہیں' اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ اقبال در اصل مستقبل کے شاعر تھے دوسرے لفظوں میں وہ اکیسویں صدی کے شاعر تھے، انہوں نے خود اپنے ایک شعر میں آنے والے حالات کی یوں خبر دی ہے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

چنانچہ انہوں نے اسی ان دیکھی دنیا میں پرواز کی وہ اس آنے والی دنیا کے افلاک تک پہنچے اور اور اس میں "مرد مومن" کو اپنا کردار اور اپنا عمل انجام دینے کی تلقین کی۔

علامہ اقبال نے آنے والی "جدید دنیا" کا جو نقشہ اپنے قلب و ذہن میں ترتیب دیا تھا اس میں انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ آئندہ دور "علم" اور سائنس کے ساتھ ساتھ "حرکت" کا دور ہو گا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے کلام میں نقالی کی مذمت کی ہے اور علم و سائنس کے حصول کی ہدایت اور "حرکت" کا درس دیا ہے۔

انہوں نے اپنے وجدان سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت کا مسلم نوجوان مغرب کے تہذیبی غلبے سے متاثر ہو کر ان کی " ہم رنگی" اختیار کر رہا ہے۔ جس سے خودی کی نفی ہوتی ہے۔ اسی لیے انہوں نے قوم کو مغربی تہذیب کے نقائص سے آگاہ کیا۔

چنانچہ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں "تہذیب جدید" کے متعلق مومنانہ اور عاقلانہ انداز سے قوم کو آگاہی بخشی ہے' علامہ کے نزدیک "تہذیب جدید" یا تہذیب یورپ جھوٹے نگوں کی تصنع کاری ہے' اس کا ظاہر بڑا خوش نما' دلفریب اور جاذب نظر ہے' مگر اس کا باطن انتہائی سیاہ اور منافقانہ انداز لیے ہوئے ہے' فرماتے ہیں:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندان مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونین میں تیغ کارزاری ہے

علامہ کے نزدیک مسلمانوں کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنی چاہیے اور اس ضمن میں انہیں دوسروں کی طرف دیکھنے اور غیروں کے سامنے کشکول گدائی لے کر پھرنے کی بجائے اپنے ادب اور اپنے لٹریچر کی طرف رجوع کرنا چاہیے' فرماتے ہیں:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی
ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوت پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغ جاوداں پیدا کرے
خاک مشرق پر چمک جائے مثال آفتاب
تابدخشاں پھر وہی لعل گراں پیدا کرے

اسی طرح علامہ ان مسلم نوجوانوں کے یکسر خلاف تھے'جو مستعار تہذیب اور اس کی مصنوعی نگینوں پر مشتمل تہذیب پر اتراتے پھرتے ہیں' علامہ کے نزدیک قوموں اور ملکوں کی تہذیب و طرز معاشرت کا مسئلہ اتنا غیر معمولی اور غیر اہم نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جا سکے'ان کے مذکورہ بالا اشعار کے پس منظر میں ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم کارفرما نظر آتا ہے' کہ آپؐ نے فرمایا "من تشبه بقوم فهو منهم" جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہو گا۔

اسی بنا پر علامہ اقبال طوفان مغرب کو ایک اعتبار سے مسلمانوں کے لیے ذریعہ خیر قرار دیتے ہیں کہ اس کی بنا پر مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے' ایک دین اور ایک ملت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستہ ہونے کا احساس و شعور پیدا ہوا' چنانچہ علامہ اپنی نظم "طلوع اسلام" میں فرماتے ہیں:

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ طوفان مغرب کی تمام بنیاد مجنونانہ مادہ پرستی' (Materialism) پر ہے' اس تہذیب میں بندوں کی نگاہ اور میدان تگ و تاز محدود اور سطحی سا رہتا ہے' اس تہذیب کا ہر فرد اس مادی دنیا کا غلام اور ظاہر پرستی کا حلقہ بگوش ہے' مگر مرد مومن کی نظر اس دنیا اور اس کے اسباب و مقتضیات سے گزر جاتی ہے' اور وہ اس زندگی کی ابتدا و انتہا کو بھی مدنظر رکھتا ہے' چنانچہ علامہ فرماتے ہیں:

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
حنا بھی عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکنات زندگانی کی
جہاں کے جوہر مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

اس طرح تہذیب جدید میں جو سطحیت ' محدودیت'قلب و نظر کی تنگ نظری اور طمع و ہوس کی حکمرانی جیسی مذموم امراض نظر آتی ہیں' علامہ مسلمانوں کی اس سے بلند اور ارفع زندگی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں' اپنی طلوع اسلام کی اس نظم میں شاعر مشرق نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن چند بنیادی مگر گرانقدر اصولوں کی طرف بھی کی ہے' ملاحظہ ہوں:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گمان آباد ہستی میں یقین مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زور حیدر' فقر بوذر ، صدق سلمانی
ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

شاعر مشرق کا فارسی کلام بھی انہی جذبات و احساسات سے لبریز ہے' اس میں بھی علامہ مرد مسلمانوں کو زندۂ جاوید اسلاف کی حکایتیں سناتے ہیں' کہیں "اقوال سلف" سے دلوں کو گرماتے ہیں' اور کبھی ادب عالم کے شہ پارں کے ذکر و بیان سے "سازدل" کو چھیڑتے ہیں اور کبھی درد قومی اور ملی جذبوں اور ولولوں کی داستانیں نغماتے ہیں' چند اشعار جن میں حکیم الامت نے "نژاد نو" (نئی نسل) سے خطاب فرمایا ہے' حسب ذیل ہیں:

شیوہ اخلاص را محکم بگیر | پاک شواز خوف سلطان و امیر
رزق زاغ و کرگس اندر خاک گور | رزق بازان درسواد ماہ و ہور
مہر دین صدق مقال اکل حلال | خلوت و جلوت تماشائے جمال
دررہ دین سخت چون الماس زی | دل بحق بر بند و بے وسواس زی
نوجوان راچون بینم بے ادب | روز من تاریک می گردد چوشب
تاب و تب در سینہ افزاید مرا | یادعہد مصطفیٰ آید میرا
از زمان خود پشیمان می شوم | درقرون رفتہ پنہان می شوم

علامہ اقبال کا تصور خودی

تعمیر شخصیت اور "تشکیل انسانیت" کے لیے علامہ نے "خودی" کا عظیم الشان فلسفہ پیش کیا ہے جس کا مقصد بھی امت مسلمہ کو آنے والے دور کے لیے تیار کرنا اور ان کے قلب و نظر میں موجود مایوسی اور پست ہمتی کا مداوا کرنا ہے۔

شاعر مشرق کے ہاں "خودی" سے مراد "قوت نفس" اور "رفعت روح" ہے۔ اقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خیال میں جب قوموں میں خوئے غلامی راسخ ہو جاتی ہے' اور جب ان کے تصورات و احساسات پست ہمتی اور پست خیالی کا ، جسے مروجہ اصطلاح میں احساس کمتری (Inferiority Complex) کہا جاتا ہے' شکار ہو جاتے ہیں' تو ان کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے' جب تک قومیں اور افراد میں ان کی اپنی انفرادیت کا تشخص پیدا نہیں ہوتا اور انہیں اپنی قوتوں یا اپنے حواس اور اپنی باطنی استعدادات و صلاحیتوں پر اعتماد کلی پیدا نہیں ہوتا ' اس وقت تک زندگی کے جادۂ مستقیم پر ان کا گامزن ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

''خوئے غلامی'' راسخ ہونے کے نتیجے میں جو احساس کمتری پیدا ہوتا ہے' اس کے نتیجے میں افراد ملت میں اپنی تہذیب و معاشرت سے بیزاری اور دوسری تہذیبوں سے شیفتگی پیدا ہو جاتی ہے' وہ مصنوعی اور پر تکلف طریقے' یعنی دوسری اقوام کی ''نقالی'' اور بناوٹی رکھ رکھاؤ سے اپنا معیار (Status) بلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں' مسلمان تقریباً دو صدیوں تک انگریزوں کے محکوم رہے تھے اور محکوم بھی ایسے کہ جن سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا تھا' ملک اور اقتدار ان سے چھینا گیا' بڑی بڑی جاگیروں اور جائیدادوں سے انہیں محروم کیا گیا' عدالتوں اور کچہریوں سے انہیں باہر نکالا گیا اور پھر ان کی قومی زبانوں فارسی اور عربی کو تعلیم گاہوں اور دفاتر سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ستم ظریفی یہ کہ مسلمانوں کی قدیم رعایا ہندووں کو دونوں ہاتھوں سے نوازا گیا۔ تمام جگہ انہیں اعلیٰ و افضل مناصب اور عہدے دیے گئے' ہر جگہ ان کی پذیرائی کی گئی' ان حالات کے نتیجے میں مسلمان معاشی ابتری اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہوئے' اس معاشی زبوں حالی نے مسلمانوں کو ان کے ولولوں اور اعلیٰ مقاصد سے محروم کر دیا ' اب مسلمان انگریزوں کی زبان' ان کی تعلیم اور ان کی تہذیب و طرز معاشرت سے غلامانہ ذہنیت کے ساتھ اکتساب فیض کر رہے تھے' اب صورت حال بقول اکبر الہ آبادی کچھ یوں تھی:

مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب ردی

بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

واقعہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے رہن سہن سے لے کر اپنے علوم و فنون تک سبھی شعبوں میں احساس کمتری کا بری طرح شکار ہو گئے تھے' اولوالعزمی ختم ہو چکی تھی' تابناک مستقبل کے خواب بکھر چکے تھے' حکمرانی تو حکمرانی' شریفانہ رکھ رکھاؤ کا تصور قائم رکھنا بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشکل ہو رہا تھا، اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس زمانے میں مسلم جماعتیں اور تنظیمیں جن پر جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا قبضہ تھا مسلمانوں کو یہ مشورہ دینے سے نہ ہچکچاتی تھیں کہ مسلمانوں کو اپنے شاندار مستقبل کے لیے "انگریزی تہذیب و تمدن" کو اپنا لینا چاہیے۔ حکیم الامت علامہ اقبال کے خیال میں یہ دور غلامی کے اثرات تھے کیونکہ:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے آب

اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

اس غلامانہ ذہنیت کی اصلاح کے لیے مختلف لوگوں نے مختلف تجاویز پیش کی ہیں مگر شاعر مشرق کے خیال میں اس کا بہترین اور احسن ترین حل یہ ہے کہ مسلمان خود اپنے آپ کو یعنی اپنی خودی کو پہچان لیں، چنانچہ علامہ اقبال ایک مقام پر فرماتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

حکیم الامت کے خیال میں اسلام نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا، بلکہ ان کے عمل کے لیے حدود ضرور متعین کرتا ہے، اسی تعین حدود کا نام "شریعت یا قانون الٰہی" ہے. خودی کا کمال یہ ہے کہ احکام الٰہی اس میں بدرجہ اتم سرایت کر جائیں، یہاں تک کہ اس کے ذاتی امیال و عواطف بھی باقی نہ رہیں، صرف اور صرف رضائے الٰہی مقصود ہو جائے، (۸).

اقبال اس خودی کے داعی تھے جو سچی بے خودی یعنی "ہجرت الی الحق" کا نتیجہ اور ثمر ہوتی ہے، علامہ کے خیال میں سچی اسلامی بے خودی یہ ہے کہ بندہ ذاتی میلانات اور رجحانات کو چھوڑ کر اللہ تعالی کے احکام کا پابند ہو جائے حتی کہ پابندی احکام کے نتائج و ثمرات سے بھی اسے کوئی غرض نہ ہو، محض تسلیم و رضا اس کا شعار بن جائے(۹) ۔ علامہ اقبال محسوس کرتے تھے کہ ہندوستانی مسلمان صدیوں سے ایرانی اثرات و تاثرات کے زیر اثر ہیں، انہیں اسلام، اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے کوئی آگاہی نہیں، ان کے ادبی و مجلسی نصب العین بھی ایرانی ہیں، اس کے برعکس شاعر مشرق اس حقیقی اسلام کی اشاعت کے آرزومند تھے، جس کی تعلیم خود آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال کے نزدیک مستقبل کی تشکیل و تعمیر انسانیت میں "خودی" کو مرکزی اہمیت حاصل ہے' اس خودی کے تین مراحل ہیں ، اول اطاعت دوم ضبط نفس، سوم نیابت الٰہی۔ خودی کے ارتقاء میں پیکار و رزم لازم ہے اور اس کی تکمیل میں عشق کی قوت تسخیر بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے خودی کے اسرار و رموز اور فرد ملت کے باہمی روابط اور ملت اسلامیہ کے زمانی و مکانی لاانتہائیت جیسے مسائل پر علامہ نے اپنی کتاب اسرارخودی و بے خودی میں سیر حاصل بحث کی ہے، جس سے انسانی شخصیت کے بعض مخفی اور پنہاں گوشوں پر روشنی پڑتی ہے' الغرض علامہ اقبال مستقبل کے شاعر تھے اور وہ وسیع پیمانوں پر مسلم معاشرے کی تشکیل نو کے آرزو مند تھے تاکہ اس میں اسلامی تہذیب کی عکاسی ہو سکے۔

☆☆☆

حوالہ جات

۱- دیکھیئے سید فقیر وحید الدین: روزگار فقیر ، بار دوم ، لاہور ۱۹۶۳ء ، ص۲۳۷ ، جبکہ بلدیہ سیالکوٹ کے اندراج کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۲فروری۱۸۷۳ء/۲۰ ذوالحجہ ۱۲۹۰ھ ہے (بلدیہ سیالکوٹ کے اندراجات پیدائش و اموات ، شائع کردہ روزنامہ انقلاب، ۷ مئی ۱۹۳۸ء)

۲- مشاہیر کشمیر ، ص۱۷۷

۳- علامہ خود فرماتے ہیں ۔ ع : ہو گیا مانند آب ارزاں مسلمان کا لہو

۴- اس کی تفصیل علامہ کی شاعری میں بھی مل جاتی ہے ، مگر اس کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد ، کا تاریخی پرچہ " الہلال" بہت مفید اور اہم معلومات سے پر ہے ، اس کی اشاعت چند سال قبل مکتبہ رشیدیہ نے لاہور سے کر دی ہے۔

۵- دیکھیئے ، مناظراحسن گیلانی : سوانح قاسمی ، دیوبند ، ۱۳۷۳ء، محمد میاں: علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، مراد آباد ، ۱۹۴۶ء-۱۹۴۸ء وغیرہ

۶- دیکھیے Indian Mussalman: W.W. Hunter, London, 1871. ، لندن ۱۸۷۱

۷- مکاتیب اقبال ' حصہ اول'ص ۲۰۱-۲۰۳

۸- ایضاً' حصہ دوم' ص ۵۹-۶۰

© rasailojaraid.com